AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

A Critical Study of the Discourse on Judaism in "The Spirit of "Al Jihad fil Islam"

الجہاد فی الاسلام میں مذکور یہودیت پر ابحاث کا تحقیقی جائزہ

Muhammad Anas Rasheed
(PhD Scholar) Department of Islamic Studies The Islamia University of Bhawalpur
anasrasheed1990@gmail.com
Dr Sheeraz Ahmad
(Lecturer) Department of Islamic Studies The Islamia University of Bhawalpur
(RYK Campus)
sheraz.ahmad@iub.edu.pk

Abstract

Syed Abul A'laMaududi renowned treatise "The Spirit of Jihad in Islam" (Al-Jihad fi al-Islam) offers not only a comprehensive exposition of the Islamic concept of jihad but also presents a critical and comparative analysis of the ideologies of other religions and nations, particularly Judaism. Iqbal contrasts the Jewish perspective on warfare, moral philosophy, and socio-religious conduct with the ethical and universal principles of Islam, highlighting the inherent contradictions within Judaic thought.According to Syed Abul A'laMaududi, the Jewish concept of combat is primarily based on narrow national interests, religious exclusivism, and racial superiority. In contrast, the Islamic notion of jihad is founded on justice, human freedom, and the support of the oppressed. He argues that in Jewish tradition, warfare often served the purpose of tribal dominance and material gain, while Islam elevated jihad as a means of global peace, human equality, and moral responsibility.

Syed Abul A'laMaududi critically examines the Judaic idea of being the "Chosen Nation," asserting that it fosters historical arrogance and moral decay. He views this concept as antithetical to the Islamic vision of universal human unity, which emphasizes servitude to God and the establishment of justice for all.FurthermoreSyed Abul A'laMaududipoints out that Judaism confined its religious teachings to a specific ethnic group, lacking the universal spirit that characterizes Islamic doctrine. As a result, Jewish warfare evolved into a form of ethnic defense, whereas Islamic jihad emerged as a moral and humanitarian endeavor aimed at the eradication of falsehood, resistance to oppression, and the welfare of all humanity.

Keywords: Islamic Jihad, Judaism, Comparative Theology, Chosen Nation, Religious Exclusivism, Moral Philosophy, War Ethics, Universalism in Islam, Jewish Tribalism, Interfaith Critique, Human Equality, Justice in Islam, Al-Jihad fi al-Islam, Religious Nationalism

پس منظر

ملت اسلامیہ کے ایک بے لوث اور بہی خواہ مولانا محمد علی جوہرؒ جو ایک منجھے ہوئے صحافی مفکر، اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ہمدرد اور کامریڈ کے ایڈیٹر بھی تھے۔ ہر جمعہ کے دن جامع مسجد دہلی میں عوام سے خطاب کیا کرتے تھے ان کے ذہن میں وہ تمام واقعات گونج رہے تھے جو ان دنوں پیش آرہے تھے اور وہ ناساز گار حالات سے پوری طرح باخبر تھے انھوں نے اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ:"کاش کوئی اللہ کا بندہ (نوجوان) اٹھ کھڑا ہو جائے اور اسلام کا صحیح پیغام اور موقف پیش کرے تا کہ اسلام کے خلاف جو غلط فہمیاں پھلائی جارہی ہیں وہ دور ہو سکیں اور جہاد کی حقیقت لوگوں کے سامنے آسکے"۔ اس اجتماع میں مولانا مودودیؒ بھی موجود تھے انھوں نے مولانا محمد علی جوہرؒ کی آواز پر لبیک کہا اور "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکتہ الآراء کتاب تالیف کی۔ اس وقت مولانا جمعیۃ العلماء ہند کے اخبار "الجمعیۃ" میں مدیر اعلیٰ تھے۔ یہ انقلابی کتاب ثابت ہوئی اور سید مودودی کو تحریک اسلامی منصۂ شہود میں لانے کے لئے ایک اہم وجہ بنی۔ انھوں نے اس کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ :"اس کتاب نے سب سے زیادہ فائدہ خود مجھے پہنچایا ہے کہ مجھ میں نہ صرف نظام شریعت کا فہم اور اس کی حقانیت کا غیر متزلزل یقین ابھر کر سامنے آیا بلکہ اسلام کے احیا کا ولولہ بھی مجھ میں پیدا ہو گیا اور اس کے لیے کام کرنے کا طریقہ بھی مجھ میں آیا" مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کو اس ضخیم کتاب کو تالیف کرنے میں چھ مہینے صرف ہوئے۔ انھوں نے کتاب کے متعلق خود فرمایا ہے کہ یہ کتاب لکھتے ہوئے مجھے جو ریسرچ کرنا پڑی، اس دوران ماضی و حال کے مفسرین، محدثین، فقہاء اور اسلامی مفکرین کی کتابوں کی ایک بڑی تعداد مجھے کھنگالنا پڑی اس مطالعہ اور جدوجہد کے نتیجے میں میرے ذہن میں اسلام کے متعلق واضح تصور مل گیا۔(1) سید مودودی نے الجہاد فی الاسلام کو منصۂ شہود پر لانے کے لئے قرآن، حدیث، سیرت، تاریخ، فقہ کے علاوہ تورات انجیل اور زبور نیز ویدوں، گیتا اور اور ہندوؤں کی دیگر مذہبی کتابوں کے اصل مصادر کا بھی براہ راست گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے بین الاقوامی قوانین، مغربی نظریات جدید تصورات جنگ کے اصل اور بنیادی مراجع سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ اس اہم ذخیرے میں سید مودودی نے جہاد کی اہمیت و معنویت، حقیقت اور آداب و شرائط پر بھی روشنی ڈالی۔ سید مودودیؒ نے اس کتاب میں واضح کیا کہ دنیا میں حقیقی امن و صلح کا قانون اگر کسی مذہب کے پاس ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ باقی تمام مذاہب کے پاس نہ صرف جنگ کے لئے بلکہ دوسرے اہم معاملات کے لئے بھی تخریب کاری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انھوں نے جہاد اور قتال کی وضاحت کی کہ اسلام جہاد و قتال کس غرض اور مقصد کے لئے کرتا ہے۔ چنانچہ سید مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

"اسلام نے بدی کے استیصال اور بدکاری کے دفع وانسداد کے لئے یہ کارگر تدبیر اختیار کی کہ منظم جدوجہد سے اگر ضرورت پڑے اور اگر ممکن ہو تو جنگ (قتال) کے ذریعے سے تمام ظالم و جابر حکومتوں کو ختم کر دیا جائے اور ان کی جگہ وہ عادلانہ و منصفانہ نظام حکومت قائم کیا جائے جس کی بنیاد خدا کے خوف پر اور خدا کے مقرر ضابطوں پر رکھی گئی ہو جو شخصی یا قومی یا طبقاتی اغراض کے بجائے خالص انسانیت کی خدمت کرے"۔(2)

الجہاد فی الاسلام کی تالیف

سید مودودی کی یہ قیمتی تحقیق جمعیۃ علماء ہند کے سہ روزہ ترجمان-"الجمعیۃ" دہلی میں 22 شماروں میں مسلسل اسلام کا قانون جنگ کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس کی پہلی قسط 28 رجب ھ بمطابق 2 فروری 1927ء میں شائع ہوئی۔ یہ سلسلۂ مضامین سہ روزہ "الجمعیۃ" میں تین مہینے سے زائد عرصے تک چھپتے رہے، اس کی آخری قسط 2 مئی 1927ء میں شائع ہوئی۔ موضوع اور تحریر کی اہمیت کے پیش نظر ناظم جمعیۃ علمائے ہند مولانا احمد سعیدؒ نے پہلے شمارے کے آخری مکمل صفحے پر ایک اشتہار کے ذریعے ایک نوٹ لکھا اور قارئین کو توجہ دلائی کہ۔" مخالفین اسلام کے غلط پروپیگنڈے کی قلعی کھولنے اور اور اسلام کی حقیقی اور سچی تصویر کو واضح کرنے کے لئے "الجمعیۃ" میں ایک پُراز معلومات سلسلۂ مضامین شروع

کیا جارہا ہے جو مخالفین کے لئے مشعلِ ہدایت اور مسلمانوں کے لئے بصیرت کا ذریعہ ہو گا"۔ مولانا احمد سعید نے اشتہار میں مزید لکھا کہ: "اگر آپ چاہتے ہیں کہ صلح و جنگ کے احکام کو صحیح اسلامی تعلیم کے مطابق پڑھیں اور سمجھیں اور ہندوستان کے تمام قومی و مذہبی معاملات میں سچی رہنمائی سے مستفید ہوں تو فوراً 12 فروری 1927ء سے الجمعیۃ کو التزام سے پڑھیں اور اپنے اصحاب اور اقربا کو پڑھائیں اور سنائیں اور حق کی آواز کو دوسروں تک پہچانا ہر مسلمان کا انسانی، اخلاقی اور دینی فرض ہے"۔(3)

یہ بات بھی واضح رہے کہ سید مودودیؒ اُس وقت سہ روزہ اخبار الجمعیۃ کے مدیر مسئول و محرر خاص بھی تھے۔ یہ سلسلہ وار مضامین اہل دانش، علماء، سیاستدانوں اور طلباء تک پہنچتے رہے اور ہر طرف سے داد و تحسین اور حوصلہ افزائی کے الفاظ موصول ہوتے رہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی ان سلسلہ وار مضامین کو بہت سراہا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کو یہ تمام مضامین بہت پسند آئے اور انھوں نے ان مضامین کو 1930ء میں کتاب کی صورت میں "الجہاد فی الاسلام" کے عنوان کے تحت شائع کی۔ انھوں نے معارف جنوری 1930ء کے شمارے میں کتاب کا مختصر تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ:

"اس کتاب میں اسلامی جہاد کے اصول و آداب، معترضین کے جوابات، مخالفین کے شکوک و شبہات کی تردید، یہودیوں، عیسائیوں، ہندؤوں اور بودھوں کے اصولوں سے ان کا تقابل اور یورپ کے موجودہ قوانین جنگ پر تبصرہ نیز جہاد کے اسلامی قوانین سے ان کا موازنہ کیا گیا ہے۔ عربی اور انگریزی کی بہترین و مستند کتابوں کے حوالے سے یہ بات لکھی گئی ہے۔ خیال رہے کہ اس ضروری مسئلے پر اس سے زیادہ مسلسل اور مبسوط کتاب اب تک نہیں لکھی گئی"۔(4)

الجہاد فی الاسلام میں مذکور یہودیت پر ابحاث

یہودیت کی تاریخ

یہودی مذہب کے قوانین کی کی تلاش و تحقیق میں ہم کو وہ دقتیں پیش نہیں آتیں جو ہندو مذہب کے قوانین تلاش کرنے میں پیش آتی ہیں۔ صرف ایک کتاب توراۃ کو لے کر ہم یہودی مذہب کی تعلیم اور اس کے احکام و قوانین معلوم کر سکتے ہیں اور اس میں یہودیت کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اگرچہ متاخرین علمائے یہود نے شریعت کے قوانین کو مرتب کرنے کے لیے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو جزئیات کی تفصیلی پر حاوی ہیں، مثال عقیب بن یوسف کی مشناہ اور مدراش جو دوسری صدی عیسوی کی تصنیفیں ہیں اور تالمود جو مشناہ اور گھارا کو ملا کر چھٹی صدی عیسوی میں مرتب کی گئی اور اسحاق الفاسی کی بلاخوث جو گیارہوں صدی میں لکھی گئی اور تالمودی قوانین کی بہترین شرح سمجھی جاتی اور موسیٰ میمونی کی مشنہ تورات جو بارھویں صدی کے اواخر میں مرتب ہوئی، اور یعقوب بن، شہر کی طور جو چودھویں صدی کی یادگار ہے م اور یوسف قارو کی شولخان اروخ جو سولہویں صدی میں لکھی گئی ہے اور جس میں یہودی احکام و عبادات کے سارے احکام روایات قدیمہ کے مطابق مرتب کیے گئے ہیں، لیکن ہمارے لیے ان کتابوں سے احتجاج چنداں مفید نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جو یہودیوں کے تمام فرقوں میں متفق علیہ ہو اور نہ کسی کو یہ رتبہ حاصل ہے کہ اسے یہودیوں نے ان کتابوں سے بیزاری ظاہر کی ہے اور توراۃ کے سوا سب کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۰۶ میں ربیون امریکہ کی مرکزی موتمر کا جو اجتماع انڈیاپولس میں ہوا تھا اس نے مذہبی ضوابط کی ہمہ گیری کے خلاف علانیہ اظہار بغاوت کر دیا تھا۔ لہٰذا ہم ان سب کتابوں کو نظر انداز کر کے مسئلہ جنگ میں صرف توراہ کی طرف رجوع کرتے ہیں (5)۔

مقصد جنگ

توراۃ میں نہایت کثرت سے لڑائیوں کا ذکر آیا ہے اور جگہ جگہ کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر سوائے اس ایک مقصد کے جو استثنا باب 2، اور اعداد باب 33 میں بیان کیا گیا ہے اور کسی مقصد کا نشان ہم کو نہیں ملتا۔ یہ مقصد کتاب اعداد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "اور خداوند نے مواب کے میدانوں میں بیرون کے کنارے پر یچھ کے مقابل موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا:

"بنی اسرائیل کو خطاب کر اور انہیں کہہ، جب تو بیرون سے پار ہو کر زمین کنعان میں داخل ہو تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ، ان کی مورتیں فنا کر دو اور ان کے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ دو اور ان کے سب اونچے مکانوں کو ڈھادو، اور ان کو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کر دو اور وہاں آپ بسو، کیونکہ میں نے وہ سرزمین تم کو دی ہے کہ اس کے مالک بنو"۔(6)

اور کتاب استثنا میں ہے:

"سو تم اٹھو، کوچ کرو، اور نہر ارنوں کے پار جاؤ، دیکھو میں نے حسبون کے بادشاہ اموری سیحوں کو اس کی سرزمین سمیت تیرے ہاتھ میں دیا ہے، سو اس کی میراث لینا شروع کر اور جنگ میں اس کا مقابلہ کر"۔(7)

"لیکن حسبوں کے بادشاہ سیحوں نے ہم کو اپنے ہاں سے گزرنے نہیں دیا کیونکہ خداوند تیرے خدا نے اس کا مزاج کڑا کر دیا اور اس کے دل کو سخت تا کہ اسے تیرے ہاتھ میں دیوے جیسا آج ہے۔ پھر خداوند نے مجھے فرمایا:

"دیکھ میں نے سیحوں کو اس کی سرزمین سمیت تجھے دینا شروع کیا، تو میراث لینا شروع کر تا کہ اس کی زمین کا وارث ہو جائے۔ تب سیحوں یہیں میں ہمارے مقابلہ کے لیے نکلا اوہ اور اس کی ساری قوم تا کہ ہم سے لڑیں۔ سو خداوند ہمارے خدا نے اسے ہمارے حوالہ کر دیا اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹوں کو اور اس کی سب قوم کو ہلاک کیا اور ہم نے اسی وقت اس کے سارے شہروں کو لے لیا اور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو ہر ایک شہر میں حرم کیا (یعنی قتل کیا اور کسی کو باقی نہ چھوڑا سوا ے چارپایوں کے جنہیں ہم نے اپنے لیے غنیمت جان کر پکڑا اور اس مال کے جو ہم نے شہروں میں سے لوٹا"۔(8)

اسی طرح کتاب استثناء میں مزید لکھا ہے کہ:

"تب ہم پھر سے اور بسن کی راہ میں چڑھ گئے اور اس کا بادشاہ فوج اور اس کی ساری قوم ہمارے مقابلہ کے لیے نکلی تا کہ ہم سے لڑے۔ اور خداوند نے اس وقت مجھے فرمایا: اس سے مت ڈر کہ میں اس کو اور اس کی ساری قوم کو اس کی سرزمین سمیت تیرے قبضہ میں کر دوں گا، تو اس سے وہی کر جو تو نے اموریوں کے بادشاہ سیحوں سے جو حسبون میں رہتا تھا کیا۔ چنانچہ خداوند ہمارے خدا نے بسن کے بادشاہ عوج کو بھی اس کی ساری قوم سمیت ہمارے قابو میں کر دیا اور ہم نے انہیں یہاں تک مارا کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ہم نے اس وقت اس کے سب شہر لے لیے اور ہم نے ان کو یعنی ان کے مردوں اور عورتوں اور لڑکوں کو ہر ایک شہر میں حسبون کے بادشاہ سبھوں کی طرح حرم کیا، لیکن سارے مواشی اور شہروں اور مال اسباب کو ہم نے اپنے واسطے لوٹ لیا"۔(9)

ان عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی جنگ کا مقصد ملک گیری ہے۔ ایک ملک کے باشندوں کو تلوار کے زور سے مغلوب کرنا اور قوت کے حق کی بنا پر ان کے اموال واملاک اور خود ان کی جانوں کو اپنے قبضہ میں لے لینا اس کی نگاہ میں جائز ہے اور اس کے نزدیک یہی قہر و تسلط اس وراثت ارضی کا مفہوم ہے۔ جس کے عطا کرنے کا خدا نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا ہے:

"أَنَّ ٱلْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ ٱلصَّٰلِحُونَ"۔ (10)

"زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے"۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

"إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِۦوَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ "۔(11)

"زمین خدا کی ہے اور اس کا وارث وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بناتا ہے اور انجام کار کامیابی صرف پرہیز گاروں کا حصہ ہے"۔

تحقیقی جائزہ

لیکن اس وارث کا تخیل توراۃ کے تخیل سے بالکل مختلف ہے۔ توراۃ زمین کی وارثت صرف بنی اسرائیل کو دیتی ہے، جیسا کہ کتاب اعداد(33: 50) سے صاف ظاہر ہوتا ہے مگر قرآن مجید اسے کسی ایک نسل یا قوم کا نہیں بلکہ صالحین کا حق قرار دیتا ہے۔ توراۃ میں وراثت ارضی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے گھر بار، ملک ومال اور جان و آبرو کی مالک بن جائے اور اس کو فنا کر کے خود اس کی جگہ بسے۔ مگر قرآن مجید میں اللہ تعالی کی جانب سے کسی قوم کو وراثت ارضی دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس قوم کو صالح ہونے کی بنا پر اپنی خلافت و نیابت کے لیے چن لیا اور اپنی زمین کا انتظام اس کے سپرد کیا تا کہ وہ ظلم وجور کو مٹا کر اس کی جگہ عدل و انصاف کا انتظام قائم کرے۔ پھر توراۃ میں میراث زمین حاصل کرنے کے لیے جنگ کا حکم دیا گیا ہے، مگر قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ فلاں ملک تمہاری قومی میراث ہے لہذا تم اسے لڑ کر فتح کرو۔ پس توراۃ کی "وراثت ارضی" کھلی کھلی ملک گیری ہے۔ اسلام کے جہاد فی سبیل اللہ کے برعکس اس کی جنگ کا مقصد محض ملک و دولت کا حصول اور دوسری قوموں پر ایک خاص قوم کی برتری قائم کرنا ہے۔

حدود وضوابط جنگ

جنگ کے حدود و ضوابط کے متعلق ہم کو تورات میں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں تاہم اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہودی مذہب اپنے پیروؤں کو دشمن کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس کے لیے ذیل کے احکام قابل مطالعہ ہیں۔ کتاب استثناء میں ہے کہ:

"اور جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لیے آ پہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ تب یوں ہو گا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور ہے اور دروازہ تیرے لیے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تو تیری خراج گزار ہو گی اور تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں دے دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کی ساری لوٹ اپنے لیے لے اور اپنے دشمن کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے مجھے دی ہے کھائیو"۔(12)

اسی طرح مزید لکھا ہے کہ:

"جب تم کسی شہر کو اس ارادہ سے کہ لڑائی کر کے اسے لو، مدت تک محاصرہ کیسے رہو تو تیر چلا کر اس کے درختوں کو خراب مت کیجیو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تو ان کا میوہ کھائے۔ سو تو انہیں محاصرہ کے کام میں لانے کے لیے کاٹ نہ ڈالیو، کیونکہ میدان کے درخت آدمی کی زندگی ہیں"۔(13)

اسی طرح مزید لکھا ہے:

"لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتانہ چھوڑیو بلکہ تو ان کو حرم کیجیو"۔ (14)

اسی طرح مزید لکھا ہے:

"اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالہ کر دے تو تو، انہیں ماریو اور حرم کیجیو۔ نہ تو کوئی ان سے عہد کیجیو اور نہ ان پر رحم کریو، تم ان کے مذبحوں کو ڈھادو، ان کے بتوں کو ڈھادو، ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادو۔"(15)

اسی طرح مزید لکھا ہے:

"تم ان سب جگہوں کو جہاں ان قوموں نے جن کے تم وارث ہوگے اپنے معبودوں کی بندگی کی ہے، اونچے پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے، نیست و نابود کر دیجیو، ان کے مذبحوں کو ڈھادیجیو اور ان کے ستونوں کو توڑیو اور ان کے گھنے باغوں کو آگ لگائیو اور ان کے معبودوں کی کھدی ہوئی مورتوں کو چکناچور کیجیو اور ان کے ناموں کو اس جگہ سے مٹادیجیو"۔(16)

کتاب اعداد میں ہے کہ:

"پھر خداوند نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ اہل مدیان سے بنی اسرائیل کا انتقام لے اور تو بعد اس کے اپنی قوم کے لوگوں سے مل جائے گا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو فرمایا کہ بعض تم میں سے لڑائی کے لیے تیار ہوں... سو ہزاروں بنی اسرائیل میں سے ہر فرقہ کے ایک ایک ہزار حاضر ہو گئے۔ یہ سب جو لڑائی کے لیے ہتھیار بند تھے ۱۲ ہزار ہوئے۔ اور انہوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا خداوند نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا اور سارے مردوں کو قتل کیا۔ اور نبی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا، اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا، اور انہوں نے ساری عظیمت اور سارے اسیر انسان اور حیوان لیے، اور وہ قیدی اور غنیمت اور لوٹ موسیٰ علیہ السلام اور لیزر کاہن اور بنی اسرائیل کے پاس خیمہ گاہ میں، موآب کے میدانوں میں، یردن کے کنارے جو یر یحو کے مقابل ہے لائے. اور موسیٰ علیہ السلام لشکر کے رئیسوں پر اور ان پر جو ہزاروں کے سردار تھے اور ان پر جو سینکڑوں کے سردار تھے، جو جنگ کر کے پھرے تھے۔ قصہ ہوا اور ان کو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا؟ ہو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو، لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لیے زندہ رکھو"۔(17)

کتاب یشوع میں ہے کہ:

"اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت، کیا جوان کیا بوڑھا، کیا بیل کیا بھیڑ، کیا گدھا، سب کو یک لخت تیغ کر کے حرم کیا پھر انہوں نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اس میں تھا پھونک دیا۔ مگر روپا اور سونا اور پیتل اور لوہے کے ظروف خداوند کے خزانہ میں داخل کیے"۔ (18)

اسی طرح مزید لکھا ہے کہ:

"اور انہوں نے عی کے بادشاہ کو جیتا پکڑا اور اسے یشوع پاس لائے۔ اور ایسا ہوا کہ جب اسرائیل میدان میں اس بیابان کے درمیان جہاں ان کا پیچھا کیا تھا عی کے لوگوں کو قتل کر چکے اور جب وہ سب تہ تیغ ہو گئے یہاں تک کہ بالکل کھپ گئے تو سارے بنی اسرائیل عی کو پھرے اور اسے تلوار کی دھار سے مارا۔ چنانچہ وہ جو اس دن مارے گئے مرد اور عورت ۱۲ ہزار تھے، یعنی عی کے سب لوگ، کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس

سے بھالا اٹھایا جب تک عی کے سارے رہنے والوں کو حرم نہ کیا نہ کھینچا۔ اسرائیل نے اس شہر کے فقط مواشی اور اسباب کو اپنے لیے لوٹا، خداوند کے حکم کے مطابق جو اس نبی مان لیا کہ ہم سے یشوع کو فرمایا تھا"۔(19)

تحقیقی جائزہ

ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی مذہب اپنے دشمنوں کو دو قسموں پر تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جنہیں خداوند نے بنی اسرائیل کی میراث میں نہیں دیا ہے۔ دوسرے وہ جنہیں اس نے ان کی میراث میں دیا ہے۔ ان دونوں کے ساتھ اس کا معاملہ جدا جدا رنگ کا ہے۔

پہلی قسم کے دشمنوں کے لیے اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے انہیں صلح پیغام دیا جائے اور اگر وہ اسے قبول کر کے اپنا ملک بنی اسرائیل کے سپرد کر دیں تو ان کو باجگزار اور خدمت گزار بنالیا جائے۔ لیکن اگر وہ صلح نہ کریں تو ان کے ساتھ جنگ کے جائے اور فتح پانے کے بعد ان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور مال اسباب پر قبضہ کر لیا جائے۔ دوران جنگ میں باغوں اور کھیتوں اور میوہ دار درختوں کو خراب کرنے کی ممانعت ہے، مگر اس لیے نہیں کہ یہ ایک مفسدانہ فعل ہے بلکہ اس لیے کہ انہیں اس طرح خراب کر دینے سے فتح حاصل ہونے کی صورت میں فاتح کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔

دوسری قسم کے دشمنوں کو وہ تمام انسانی حقوق اور رعایات سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ان قوموں سے کوئی صلح و معاہدہ نہ کیا جائے، ان کے خلاف بلا تامل جنگ چھیڑ دیا جائے، ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کیا جائے، ان کی کھیتیاں اور باغات اور عمارتیں اور عبادت گاہیں سب تمہیں نہیں کر دی جائیں، ان کی عورتیں، مرد بچے حتیٰ کہ جانور تک نہ تیغ کر دیے جائیں اور روئے زمین سے ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ اس جنگ کی غایت صرف یہ قرار دی گئی ہے کہ میراث میں دی ہوئی تومیں کلیت نیست و نابود کر دی جائیں۔ ان قوموں کے سامنے کوئی ایسی شرط پیش کی ہی نہیں گئی جسے پورا کرنے کے بعد ان کی جان بخشی ممکن ہو۔

اس تعلیم پر کسی تبصرہ کی حاجت نہیں، وہ اپنے اوپر تبصرہ کر رہی ہے، اس پر جیتا جاگتا تبصرہ فلسطین کی اسرائیلی ریاست ہے جو اسی میراث ارضی کے تخیل پر قائم ہوئی ہے اور بیسویں صدی میں بھی اس نے عربوں کے ساتھ وہی کچھ کر کے دکھا دیا جس کی ہدایت بائیبل میں دی گئی تھی۔

الجہاد فی الاسلام پر تحقیقی تجزیہ

"الجہاد فی الاسلام" کے متعلق یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ یہ مولانا کے ابتدائی دور کی تصنیف ہے۔ چنانچہ مولانا نے خود ایک مقام پر یہ ذکر کیا ہے کہ "الجہاد فی الاسلام" میری ابتدائی دور کی تصنیف ہے اور بعد میں مجھے اس پر نظر ڈالنے کا موقع نہیں ملا۔ ایک ہندو نے مولانا کو لکھا کہ آپ نے "الجہاد فی الاسلام" میں ہندو مذہب کے بارے میں ترجموں پر انحصار کیا ہے۔ مولانا جواب میں لکھتے ہیں:

"آپ کا یہ اعتراض صحیح ہے کہ میں نے سنسکرت زبان اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے براہِ راست واقفیت کے بغیر محض یورپین ترجموں کے اعتماد پر اپنی کتاب میں ویدوں سے کیوں بحث کی۔ لیکن آپ نے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ "الجہاد فی الاسلام" بالکل میرے ابتدائی عہد کی تصنیف ہے جب مذاہب کے معاملے میں میرا رویہ پوری طرح پختہ نہیں ہوا تھا اور نہ وہ احتیاط طبیعت میں پیدا ہوئی تھی جو تحقیق کے لیے ضروری ہے۔ اب اگر میں اس کتاب کو دوبارہ لکھوں گا تو ہر اس چیز کی جس براہِ راست واقفیت کا موقع مجھے نہیں ہے، از سرِ نو تحقیق کروں گا۔"20

یہی عذر پوری کتاب کے بارے میں بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ مزید یہ کہ مولانا نے جہاد پر اپنی دیگر تحریروں میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا کہ مولانا نے جس جگہ بالعموم کوئی بات لکھی ہے، دوسرے مقامات پر اس کی تخصیص بھی کی ہے۔ زیرِ نظر جائزے میں ہمارے پیشِ

نظر سب سے اہم تحریر مولانا مودودی کی کتاب "سود" کا تیسرا ضمیمہ ہے جو دارالاسلام اور دارالحرب سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بے شمار تحریریں ہیں جن کی روشنی میں مولانا کا تصور متعین کیا جائے گا۔

علما کی نظر میں "علت القتال"

"الجہاد فی الاسلام" میں مولانا کی فکر سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اس کے مطابق علت القتال شوکتِ کفر ہے۔ مذکورہ کتاب میں مولانا کی نظر میں جہاد کی غایت کفر کو نظمِ اقتدار کی سطح پر دنیا سے مکمل طور پر بے دخل کر دینا ہے۔21 بیسویں صدی میں بعض اہل علم نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ جہاد کی علت شوکتِ کفر ہے۔ مولانا مودودیؒ نے جہاد کے عنوان کو تفہیم القرآن اور الجہاد فی الاسلام کے علاوہ دینیات، خطبات اور یوم اقبال پر ٹاؤن ہال لاہور میں کی گئی تقریر جہاد فی سبیل اللہ [22] میں بیان کیا ہے۔ ان سب کا حاصل ہے کہ اسلام میں جہاد کا مقصد حکومت الہیہ کا قیام، اقامت دین، اعلائے کلمۃ اللہ ہے۔ یہاں پر ہم بعض اہلِ علم کی آرا نقل کرتے ہیں۔

مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۹۴۹ء-۱۸۸۷ء) سورت انفال میں مقاصدِ جہاد کے تحت لکھتے ہیں:

"یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کسی طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنا دیا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہلِ اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولتِ ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے۔23 یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے۔(لیظہرہ علی الدین کلہ) 24 خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہو گا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد اور قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ مذکورہ بالا دو مقاصد حاصل نہ ہو جائیں۔"25

مفتی محمد تقی عثمانی (پ:۱۹۴۳ء) نے بھی بعض مقامات پر شوکتِ کفر کو جہاد کی غایت قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی نے "الجہاد فی الاسلام" میں "اشاعتِ اسلام ور تلوار" کے عنوان سے ایک باب باندھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو صرف دو صورتوں میں قتل کیا گیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے کسی دوسرے انسان کو ناحق قتل کیا ہو، اور دوسرے یہ کہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا ہو۔26 مفتی تقی صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جہاد کا مقصد کفر کی شوکت توڑنا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"انھوں (صلیبیوں) نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمانوں میں جہاد اس لیے مشروع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو زبردستی بہ زورِ شمشیر مسلمان بنایا جائے کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ تمھیں مار دیں گے۔ اور یہ جہاد در حقیقت اسلام کو پھیلانے کے لیے ایک زبردستی کا ذریعہ ہے۔ اور اسی بات کو یہ کہہ کر تعبیر کیا گیا کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا" ورنہ عقیدہ مان کر لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ بڑی شد و مد سے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا۔ حالاں کہ اس پروپیگنڈے کی کوئی حقیقت نہیں، اس لیے کہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ دوسری جگہ فرمایا: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْۚ ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر جہاد کا منشا لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا ہوتا تو پھر جزیہ ادا کرنے اور غلام بنانے کی شق کیوں ہوتی؟ کہ اگر مسلمان نہیں ہوتے تو جزیہ ادا کرنے کی شق خود ظاہر کر رہی ہے کہ جہاد کے ذریعہ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود نہیں۔ اور مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ مسلمانوں نے کسی علاقے کو فتح کرنے بعد وہاں

کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کیا ہو بلکہ ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی گئی، جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اسی دعوت کے نتیجے میں مسلمان ہوئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے ان کو بھی وہی حقوق دیے گئے جو ایک مسلمان کو دیے گئے۔ اس لیے یہ کہنا کہ تلوار کے ذریعہ اسلام پھیلا، یا یہ کہنا کہ جہاد کا مقصد زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔27

اس کے بعد تقی صاحب خود سوال اٹھاتے ہیں کہ جہاد کا مقصد کیا ہے۔ ان کے ہاں بھی تقریبا وہی مقصد ہے جو مولانا شبیر احمد عثمانی نے بیان کیا۔ لکھتے ہیں: "سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر جہاد کا مقصد کیا ہے؟ خوب سمجھ لیں جہاد کا مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت کو توڑا جائے اور اسلام کی شوکت قائم کی جائے اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کو تو برداشت کرلیں گے کہ اگر تم اسلام نہیں لاتے ٹھیک ہے اسلام قبول نہ کرو، تم جانو اور تمھارا اللہ جانے۔ آخرت میں تم سزا بھگتنا۔ لیکن تم اپنے کفر اور ظلم کے قوانین کو اللہ کی زمین پر نافذ کرو اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بناؤ اور ان کو اپنے ظلم اور ستم کا نشانہ بناؤ اور ان پر ایسے قوانین نافذ کرو جو اللہ کے قوانین کے خلاف ہیں اور کن قوانین کے ذریعہ فساد پھیلتا ہے۔ تو اس کی ہم تمہیں اجازت نہیں دیں گے۔ لہذا یا تو تم اسلام لے آؤ اور اگر اسلام نہیں لاتے تو پھر اپنے دین پر رہو لیکن جزیہ ادا کرو۔ اور یہ جزیہ ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری اور ہمارے قانون کی بالادستی تسلیم کرو۔ اس لیے جو قانون تم نے جاری کیا ہوا ہے وہ بندوں کو بندوں کا غلام بنانے والا قانون ہے۔ ہم ایسے قانون کو جاری نہیں رہنے دیں گے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ ہو گا اور اللہ ہی کا کلمہ بلند ہو گا۔ یہ ہے جہاد کا مقصود۔"28

مولانا مودودی کے ہاں بھی "الجہاد فی الاسلام" میں جہاد کی غایت یہی ہے۔29 تاہم مفتی صاحب اس قسم کے خیالات کا اظہار "فقہی مقالات" میں بھی کیا ہے۔ یہ مقالہ دراصل ایک سوال کے جواب میں تحریر کیا گیا ہے۔ سوال کا خلاصہ مفتی صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"آپ نے جہاد کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، اس کا حاصل میں یہ سمجھا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ملک میں تبلیغ کی اجازت دے دے تو اس کے بعد اس سے جہاد کرنا جائز نہیں رہتا۔"30

اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اگر یہی آپ کا مقصد ہے تو احقر کو اس سے اتفاق نہیں، تبلیغ اسلام کے راستے میں رکاوٹ صرف اسی کا نام نہیں کہ غیر مسلم حکومت تبلیغ پر قانونی پابندی عائد کردے، بلکہ کسی غیر مسلم حکومت کا مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ پر شوکت ہونا بہ ذات خود دین حق کی تبلیغ کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ آج دنیا میں ان کی شوکت اور دبدبہ قائم ہے، اس لیے اسی شوکت اور دبدبے کی وجہ سے ایک ایسی عالمگیر ذہنیت پیدا ہو گئی ہے جو قبول حق کے راستے میں تبلیغ پر قانونی پابندی لگانے سے زیادہ بڑی رکاوٹ ہے۔31

آگے شوکتِ کفر توڑنے کو جہاد کی غایت قرار دیتے ہیں، جس طرح "تقریر ترمذی" میں اسی کو جہاد کا مقصد قرار دیا تھا۔ لکھتے ہیں: لہذا کفار کی اس شوکت کی بنا پر جو نفسیاتی مرعوبیت لوگوں میں پیدا ہو گئی ہے، وہ ٹوٹے، قبول حق کی راہ ہموار ہو جائے، جب تک یہ شوکت و غلبہ باقی رہے گا، لوگوں کے دل اسی سے مرعوب رہیں گے، اور دین حق کو قبول کرنے کے لیے پوری طرح آمادہ نہ ہو سکیں گے۔ لہذا جہاد جاری رہے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُه وَلَا يَدِينُونَدِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَة عَن يَدٍ وَہمْ صَاغِرُونَ"۔32

یہاں قتال اس وقت تک جاری رکھنے کو کہا گیا ہے جب تک کفار "چھوٹے" یا "ماتحت" ہو کر جزیہ ادا نہ کریں، اگر قتال کا مقصد صرف تبلیغ کی قانونی آزادی حاصل کرنا ہوتا تو یہ فرمایا جاتا کہ "جب تک وہ تبلیغ کی اجازت نہ دے دیں" لیکن جزیہ واجب کرنا اور اس کے ساتھ ان کے صغر (زیرِ دست، ذلیل) ہونے کا ذکر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقصد ان کی شوکت کو توڑنا ہے، تا کہ کفر کے سیاسی غلبے سے ذہن و دل پر مرعوبیت کے جو پردے پڑ جاتے ہیں، وہ انھیں اور اس کے بعد اسلام کے محاسن پر لوگوں کو کھلے دل سے غور کرنے کا موقع ملے۔"33

مفتی صاحب کی نظر میں عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ نے دوسرے ملکوں جہاد کرنے سے پہلے کوئی تبلیغی مشن بھیجا ہو اور اس بات انتظار کیا ہو کہ یہ لوگ تبلیغی کام کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔ تاہم یہاں مفتی صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کا خاص پہلو نظر انداز کر دیا ہے، اس پر آگے تفصیل آرہی ہے۔ مزید بر آں ان کی یہ رائے بھی درست معلوم نہیں ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ نے دوسروں ملکوں پر جہاد کرنے سے قبل کوئی تبلیغی مشن بھیجا ہو۔ اس سلسلے میں مفتی صاحب اپنے والد گرامی مفتی محمد شفیع (۱۹۷٦ء-۱۸۹۷ء) اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۹۷۴ء-۱۸۹۹ء) سے بھی دلیل پکڑتے ہیں۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحب نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس اور سیدنا عبد اللہ ابن عمر کی آرا نقل کی ہیں، مفتی صاحب ثانی الذکر رائے سے متفق نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

" دین کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں، اس صورت میں تفسیر آیت کی یہ ہو گی کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہیے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور دین اسلام کا غلبہ 34 نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔35

مزید لکھتے ہیں:

خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے، اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے، اور یہ صورت صرف قریب قیامت میں ہو گی، اس لیے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی رہے گا۔"36

مولانا محمد ادریس کاندھلوی بھی اسی رائے کے قائل نظر آتے ہیں، مفتی صاحب نے اپنی رائے قوی بنانے کے لیے مولانا ادریس سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حق جل شانہ کے اس ارشاد: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لا تَكُونَ فِتْنَة "، میں اسی قسم کا جہاد مراد ہے، یعنی اے مسلمانو! تم کافروں سے یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ کفر کا فتنہ باقی نہ رہے، اور اللہ کے دین کو پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس آیت میں فتنہ سے کفر کی قوت اور غلبہ مراد ہے، جب کہ دوسری آیت میں ہے: لیظہرہ علی الدین کلہ، یعنی دین کو اتنا غلبہ اور قوت حاصل ہو جائے کہ کفر کی طاقت سے اس کے مغلوب ہونے کا احتمال باقی نہ رہے اور دین اسلام کا کفر کے فتنہ اور خطرہ سے بالکلیہ اطمینان حاصل ہو جائے۔"37

جہاد کی غرض و غایت

"جہاد کے حکم سے خداوند قدوس کا یہ ارادہ نہیں کہ یک لخت کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین دنیا میں حاکم بن کر رہے، اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں، اور امن و عافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کر سکیں، کافروں

سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ ان کے دین میں خلل انداز ہو سکی۔ اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں، بلکہ ان کی ایسی شوکت و حشمت کا دشمن ہے کہ جو اسلام اور اہل اسلام کے لیے خطرے کا باعث ہو۔"38

مفتی صاحب اس تحریر میں نہایت قطعیت کے ساتھ شوکتِ کفر توڑنے کو جہاد کی غایت قرار دیتے ہیں اور تمام اکابر دیوبند کو اسی رائے کے قائل مانتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے استطاعت 39 پر بحث کی ہے لیکن یہ زیرِ بحث علت القتال ہے، جس کے بارے میں مفتی صاحب کی رائے بالکل واضح ہے۔ پوری بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

"احقر کی فہم ناقص کی حد تک جہاد کا مقصد صرف تبلیغ کی قانونی آزادی حاصل کرلینا نہیں بلکہ کفار کی شوکت توڑنا اور مسلمانوں کی شوکت قائم کرنا ہے، تاکہ ایک طرف کسی کو مسلمانوں پر بری نگاہ ڈالنے کی جرات نہ ہو، اور دوسری طرف کفار کی شوکت سے مرعوب انسان اس مرعوبیت سے آزاد ہو کر کھلے دل سے اسلام کے محاسن کو سمجھنے پر آمادہ ہو سکیں۔ یہ حقیقت کے اعتبار سے بلاشبہ "حفاظت اسلام" ہی کی غرض سے ہے، اس لیے بعض علما جنھوں نے جہاد کے لیے "حفاظت" کی تعبیر اختیار کی ہے اسی سیاق میں کی ہے، لیکن کفر کی شوکت کو توڑنا اور اسلام کی شوکت کو قائم کرنا اس "حفاظت" کا بنیادی عنصر ہے، لہذا اس بنیادی عنصر کو اس سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ میرا خیال ہے کہ تمام اکابر علما نے جہاد کی غرض و غایت اسی کو قرار دیا ہے۔"40

مفتی تقی عثمانی نے انھی آرا کا اظہار مولانا عبد الشکور لکھنوی کی کتاب "مختصر سیرت نبویہ ﷺ" پر تبصرہ کرتے ہوئے بھی کیا ہے۔ "فقہی مقالات" میں جہاد والا مضمون در اصل اس کتاب پر تبصرے کی ضمن میں چند سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ مولانا لکھنوی نے رسول اللہ ﷺ کے غزوات کو مدافعانہ قرار دیا تھا۔ مزید انھوں نے جہاد کی مشروعیت صرف دفعِ ظلم اور حفاظت تک محدود رکھا۔ اس پر تقی عثمانی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان جملوں سے مترشح ہوتا ہے کہ صرف دفاعی جہاد جائز ہے، حالاں کہ جہاد کا اصل مقصد "اعلاءِ کلمۃ اللہ" ہے جس کا حاصل اسلام کا غلبہ قائم کرنا اور کفر کی شوکت کو توڑنا ہے، اس غرض کے لیے اقدامی جہاد بھی نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات واجب اور باعث اجر و ثواب ہے، قرآن و سنت کے علاوہ پوری تاریخِ اسلام اس قسم کے جہاد کے واقعات سے بھرپڑی ہے، غیر مسلموں کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ ان حقائق کا انکار یا ان میں معذرت آمیز تاویلیں کرنے سے ہمیں چنداں ضرورت نہیں، کسی فردِ واحد کو بلاشبہ کبھی بہ زورِ شمشیر مسلمان نہیں بنایا گیا اور نہ اس کی اجازت ہے، ورنہ جزیہ کا ادارہ بالکل بے معنیٰ ہو جاتا، لیکن اسلام کی شوکت قائم کرنے کے لیے تلوار اٹھائی گئی ہے، کوئی شخص کفر کی گمراہی پر قائم رہنا چاہتا ہے تو رہے، لیکن اللہ کی بنائی ہوئی دنیا میں حکم اسی کا چلنا چاہیے، اور ایک مسلمان اسی کا کلمہ بلند کرنے اور اس کے باغیوں کی شوکت توڑنے کے لیے جہاد کرتا ہے۔ ہم اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے ان لوگوں کے سامنے آخر کیوں شرمائیں جن کی پوری تاریخ ملک گیری کے لیے خون ریزیوں کی تاریخ ہے، اور جنھوں نے محض اپنی خواہشات کا جہنم بھرنے کے لیے کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔"41

اس حوالے سے "تکملۃ فتح الملہم" بھی اہم ہے۔ اس میں بھی مفتی صاحب نے سطور بالا میں ذکر کیے گئے دلائل کا اعادہ کیا ہے۔ یہ کتاب مفتی صاحب کی اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے، اس لیے اس کے مندرجات درج کرنا خالی از فائدہ نہ ہو گا۔ جہاد کے اغراض اور اہداف کے بارے میں لکھتے ہی[1]ں:

1

"قد ذكر العلماء للجهاد أغراضا و أہدافا. جزئية كثيرة، نسطيع أن نضيف إلہا أغراضا جزئية أخرى، حسب الظروف والأحوال، ولكن الہدف الأساسي وراء تشريع الجهاد، حسب ما تدل عليه النصوص الشرعية، ہو إعزاز الإسلام، واعلاء كلمة الله، وكسر شوكة الكفر." 42

علمائے کرام نے جزوی طور پر جہاد کی مشروعیت کے کئی اغراض واہداف ذکر کیے ہیں۔ جن میں مختلف حالات کے مطابق چند مزید جزوی اہداف و اغراض کے اضافے کی گنجائش بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن جہاد کی مشروعیت کے لیے شرعی نصوص کی روشنی میں جو بنیادی اہداف و مقاصد معلوم ہوتے ہیں، وہ اعزاز اسلام، اعلائے کلمۃ اللہ اور کفر کی شان وشوکت کا توڑ ہے۔

بعد ازاں ان اعتراضات کا اعادہ کرتے ہیں جس کا پہلے "تقریرِ ترمذی" میں ذکر ہو چکا ہے کہ اسلام بہ زورِ شمشیر پھیلا ہے اور بہ روزِ طاقت لوگوں کو مسلمان کراتا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"والواقع أن الجهاد لم يشرع لإكراه الناس على قبول الإسلام، و لكنه انما شرع لإقامة حكم الله فى الأرض ولكسر شوكة الكفر والكفار، التى لم تزل فى التاريخ أقوى سبب لشيوع الظلم، والفتنة والفساد، وأكبر مانع عن قبول الحق، والإصغاء إلى الدعوة الإسلامية. ولو كان الجهاد ہدفه الإكراه على الدين لما شرعت الجزية لإنہاء الحرب، وإن مشروعية الجزية من اوضح الدلائل على أنه ليس إكراہا على قبول الدين، ولم يرو فى شئ من حروب الجهاد على كثرته عبر التاريخ أن أحد من الكفار أكره على قبول الإسلام بعد م افتتح المسلمون بلدا من البلاد، وانما ترك الكفار وما يدينون بكل رحابة صدور، ثم جاءت الدعوة الإسلامية مصحوبة بالحجة والبرہان، وبالسير الفاضلة، والأخلاق الكريمة، والأعمال الجاذبة، فتسارع الكفار إلى الإسلام بعد اقتناعہم بحقيقته واستيقانہم بحسن تعليمه، دون أن يكرہہم أحد على ذالك. وانما شرع الجهاد لتعلو كلمة الله على أرض الله، ويكون لہا العز والمنعة، وليكسر شوكة الجبارين يستعبدون عباد الله بأحكامہم، وقوانينہم المنبثقة من اراءہم، ويأبون أن يقام حكم الله تعالى فى أرضه، ويشيعون بقوة حكمہم كل ظلم، ومنكر، وفساد."43

درحقیقت جہاد کی مشروعیت لوگوں سے اسلام قبول کرانے کے لیے نہیں، بلکہ اس کی مشروعیت کا سبب زمین پر اللہ کے دین کا نفاذ اور کفر کی شان وشوکت کو توڑنا کے لیے ہے، اور یہی کفر کی شان وشوکت ہی زمین میں ظلم، فتنہ اور فساد کی جڑ اور بنیادی سبب ہے۔ اسی طرح یہی کفر کا دبدبہ قبول حق میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی ہے۔ اگر جہاد کی مشروعیت کا مقصد لوگوں کو قبول اسلام پر مجبور کرنا ہوتا، تو جنگ کے خاتمے کے لیے جزیہ کیوں جائز رکھا گیا؟ جزیہ کی مشروعیت سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی غرض قبول اسلام پر مجبور کرنا نہیں۔ مزید یہ کہ پوری تاریخ کے اندر کبھی ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا جس میں کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے کسی کافر کو زبردستی اسلام قبول کروایا ہو۔ بلکہ ہمیشہ یہی طرز عمل رہا کہ وہاں کے کافروں کو ان کے اپنے دین پر مکمل آزادی کے ساتھ عمل کرنے دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دلیل و حجت کی بنیاد پر اور کریمانہ اخلاق کے ساتھ ہی دین اسلام کی طرف دعوت کا مرحلہ آیا ہے، اور کافروں نے بغیر کسی زبردستی اور مجبوری کے محض اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اور اپنے بھرپور اطمینان کے بعد ہی اسلام کو قبول کیا ہے۔ جہاد کی مشروعیت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا کی زمین پر خدا کا نام و نظام ہی غالب رہے، اور اپنی ذاتی فکر نظر کی بنیاد پر قوانین بنا کر انسانوں کو اپنے جبر و تحکم کے ساتھ محکوم و مظلوم رکھنے والوں، خدا کی شریعت کا انکار کرنے اور اپنی حکمرانی کے بل بوتے پر زمین میں ظلم اور فتنہ وفساد برپا کرنے والوں کی شان وشوکت ٹوٹ جائے۔

بعض اہل علم جو مولانا کی فکر سے متعلق ہیں اور جنھیں مولانا سے اختلاف ہے، بالعموم یہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کے بارے یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرات پوری فکر سے بوجوہ واقف نہیں ہوتے، لیکن بعض اہلِ علم مولانا کی پوری فکر سے واقفیت رکھتے ہوئے بھی صرف ایک تحریر کو بنیاد بنا کر رائے قائم کرتے ہیں۔ ان کے لیے ڈاکٹر یوسف القرضاوی (پ:۱۹۲۶ء) کی یہ نصیحت بھی بہت اہمیت کی حامل ہے:

"انصاف پسند قاری کا فرض یہ کہ وہ مولانا مودودی کی تحریروں کو آپس میں ملا کر دیکھے، اور کسی ایک تحریر یا کسی ایک زمانے کی گفتگو پر اکتفا نہ کر بیٹھے کیوں کہ بہت سی کتابیں انھوں نے تقسیم ہند سے پہلے لکھی ہیں، جب کہ پاکستان کی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی۔ اور مولانا بھی ابھی پختگی کی عمر کو نہیں پہنچے تھے۔ اس وقت علامہ مودودی کی ابھرتی ہوئی جوانی تھی، جو کہ جذبات کی شدت کا زمانہ ہوتا ہے۔ [44]

خلاصۃ البحث

مولانا سید مودودیؒ کی معرکہ آراء تصنیف "الجہاد فی الاسلام" نہ صرف اسلامی تصورِ جہاد کی بھرپور وضاحت پر مبنی ہے بلکہ اس میں دیگر مذاہب و اقوام، خصوصاً یہودیت کے افکار کا تنقیدی و تقابلی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ اقبالؒ نے یہودیت کے جنگی نظریات، اخلاقی ساخت، اور سماجی رویوں کو اسلامی اصولوں کے مقابل رکھ کر ان کے داخلی تضادات کو اجاگر کیا ہے۔ مولانا سید مودودیؒ کے نزدیک یہودیت کا تصورِ قتال محدود قومی مفادات، مذہبی تعصب، اور نسل پرستی پر مبنی ہے، جبکہ اسلام کا تصورِ جہاد عدل، حریتِ انسانی، اور مظلوم اقوام کی اعانت پر استوار ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ یہودی مذہبی روایت میں جنگ کا مقصد اکثر قبائلی برتری اور زمینی مفاد رہا ہے، جبکہ اسلام نے جہاد کو عالمی امن، انسانی مساوات، اور اخلاقی فریضے کی حیثیت دی۔ سید مودودیؒ یہودیت کے تصورِ "قوم برگزیدہ (Chosen Nation) "کو تاریخی غرور اور اخلاقی انحطاط کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ تصور انسانیت کی وحدت کے منافی ہے، جبکہ اسلام تمام انسانوں کو ایک وحدت میں جوڑ کر اللہ کی بندگی اور عدل کے قیام کا پیغام دیتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ یہود نے اپنے مذہب کو صرف ایک قوم تک محدود رکھا اور ان کی مذہبی تعلیمات میں وہ آفاقی روح نظر نہیں آتی جو اسلام کی تعلیمات کا جوہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت کا قتال ایک نسلی دفاع کی شکل اختیار کر گیا، جبکہ اسلام میں جہاد کا مقصد باطل کا خاتمہ، ظلم کا مقابلہ اور عالمی فلاح کا حصول ہے۔

---

[1]۔ سلیم منصور خالد، تذکرہ سید مودودی، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، اپریل 2000ء، ج2، ص654

[2]۔ سید ابوالاعلی مودودی، الجہاد فی الاسلام، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، جون 1996ء)، ص117

[3]۔ سلیم منصور خالد، وثائق مودودی، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، 1984، ص90

[4]۔ سلیم منصور خالد، تذکرہ سید مودودی، ج2، ص165

(5)۔ یہاں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ توراۃ کے متعلق ہم جو کچھ کہیں گے وہ اس توراۃ کے متعلق نہیں ہو گا جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تھی، بلکہ اس توراۃ سے متعلق ہو گا جو آج عہد عتیق (Old Testament) کے نام سے دنیا میں موجود ہے۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ عہد عتیق کی کتب خمسہ (Pentatenth) اصلی توراۃ نہیں ہیں۔ اصلی توراۃ.. ہو چکی ہے۔ اس نظریہ کی تائید خود "عہد عتیق" سے ہوتی ہے۔ اس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں حضرت یشوع کی مدد سے توراۃ کو مرتب کر کے ایک صندوق میں رکھوا دیا تھا (استثناء ۳۱:۲۴-۲۷) ان کے انتقال کے بعد چھٹی صدی ق م میں جب بخت نصر نے بیت المقدس کو آگ لگادی تو وہ مقدس صندوق ان تمام کتابوں سمیت جل گیا جو حضرت موسیٰ کے بعد شریعت موسویہ کے مجددین نے مرتب کی تھیں۔ اس تباہی کے دوڈھائی سو برس بعد حضرت عزیز نے (باتکمیل کی روایت کے مطابق) بنی اسرائیل کے کاہنوں اور لاویوں کے ساتھ مل کر آسمان الہام سے اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا (ایزڈرا من جزو دوم باب چہار دہم) مگر حوادث زمانہ نے اس نئے نسخہ کو بھی اپنی اصلی صورت میں باقی نہ رہنے دیا۔ سکندر اعظم کی عالمگیر فتوحات کا سیلاب جب یونانی حکومت کے ساتھ یونانی علوم و آداب کو بھی لے کر شرق اوٹی پر پھیل گیا تو ۲۸۰ ق م میں توراۃ کی تمام کتابیں یونانی زبان میں منتقل کر دی گئیں اور رفتہ رفتہ اصلی عبرانی نسخہ متروک ہو کر یہی یونانی ترجمہ رائج ہو گیا۔ پس آج جو توراۃ ہمارے سامنے ہے اس کی سند کسی طرح حضرت موزائد نہیں پہنچتی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موجودہ توراۃ میں اصلی توراۃ کا کوئی جزء بھی شامل نہیں ہے یا یہ سراسر جعلی ہے۔ دراصل جو کچھ نام کہنا چاہتے ہیں اور یہ ہے کہ اس توراۃ کے ساتھ بہت سی دوسری چیزیں مل جل گئی ہیں اور بعید نہیں کہ اس کی بعض چیزیں اس میں سے غائب بھی ہو گئی ہوں، آج جو شخص بھی محققانہ نظر سے اس کتاب کو پڑھے گا وہ صریح طور پر یہ محسوس کرے گا کہ اس میں خدا کے کلام کے ساتھ یہودی علماء کی تفسیریں، بنی اسرائیل کی قومی تاریخ اسرائیل فقہاء کے قانونی اجتہادات اور دوسری بہت سی چیزیں خلط ملط ہو گئی ہیں جنہیں الگ کر کے

کلام الٰہی کو چھانٹ نکالنا سخت مشکل کام ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید سے توراۃ کا دین وہی تھا جو خود قرآن کا دین ہے اور موسیٰ علیہ السلام اسی طرح اسلام کے پیغام بر تھے جس طرح حضرت محمد ﷺ ہیں۔ بنی اسرائیل ابتدا میں اسی دین اسلام کے پیرو تھے مگر بعد میں انہوں نے اصل دین میں اپنی خواہشات کے مطابق بہت کچھ کمی بیشی کر کے ایک نیا مذہبی نظام "یہودیت" کے نام سے بنالیا۔ لہذا یہاں ہم جس چیز پر بحث کر رہے ہیں وہ یہی یہودیت ہے نہ کہ وہ دین جو حضرت موسیٰ لائے تھے۔

[6]۔ کتاب اعداد:33: 50 -54

[7]۔ کتاب استثناء: 3 : 24

[8]۔ کتاب استثناء: 2 : 353

[9]۔ کتاب استثناء: 3 : 71

[10]۔ القرآن،21: 105

[11]۔ القرآن،7 : 128

[12]۔ کتاب استثنا: 20،10 -141

[13]۔ کتاب استثنا:20،19

[14]۔ کتاب استثنا:20،16-17

[15]۔ کتاب استثنا:7،2-5

[16]۔ کتاب استثنا:2: 2

[17]۔ کتاب اعداد:31،1-18

[18]۔ کتاب یشوع:6،21-25

[19]۔ کتاب یشوع : 8،23-28

20 سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل ومسائل (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، نومبر 2002ء)، ج ۱، ص 215

21 مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص 117

22 سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور، 2006ء، صفحہ 182

23 مولانا مودودی کے ہاں پہلے مدافعانہ جہاد کے تحت اپنا دفاع اصل مقصود ہے لیکن اس کے بعد کہتے ہیں کہ آیا دفاع مقصود بالذات ہے یا کسی اور مقصد کے لیے۔ یہاں مولانا عثمانی کی رائے بھی کم و بیش یہی بنتی ہے کہ پہلے دین کی حفاظت اور پھر شوکتِ کفر کو پیوندِ خاک کرنا جہاد کا مقصد ہے۔

24 اس آیت کی تفسیر میں مولانا عثمانی لکھتے ہیں: "اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہاہے۔ باقی حکومت وسلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہو گا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کے راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کے باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے۔ یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قرب قیامت کے ہونے والا ہے۔" (مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی (کراچی: دارالاشاعت، فروری 2007ء)، ج ۱، ص 865) اصول و فروع اور عقائد کے اعتبار سے یہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو محمد ﷺ لے کر آئے۔ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان وشکوہ سے حکومت کی۔

25 شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، ج ۱، ص 819

26 ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، ناشر: ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص 154

27 مفتی محمد تقی عثمانی، تقریر ترمذی (کراچی: میمن اسلامک نجس، اپریل 1999ء)، ج 2، ص 202

28 مفتی محمد تقی عثمانی، تقریر ترمذی، ص 203

29 مودودی، الجہاد فی الاسلام، ص 87

30 مفتی محمد تقی عثمانی: فقہی مقالات (کراچی: میمن اسلامک پبلشرز، جنوری 1999ء)، ج 3، ص 295

31 مفتی محمد تقی عثمانی: فقہی مقالات، ج 3 ص 285

32 القرآن: 29،9

33 مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ج 3، ص 296

34 تقی صاحب کی رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کفر کا غلبہ باقی رہے گا مسلمان غلبہ نہیں پاسکتے۔ دیکھیے: فقہی مقالات، ج 3، ص 295

35 مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، (کراچی: ادارۃ المعارف، اپریل 2008ء)، ج 3 ص 233

[36] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج3، ص 234

[37] مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ النبی ﷺ، (لاہور: مکتبہ عثمانیہ، 1992ء)، ج2، ص468

[38] مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ النبی ﷺ، ص470

[39] استطاعت میں بھی مفتی صاحب اور مولانا کی آرا میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ (الجہاد فی الاسلام، ص104 فقہی مقالات، ج 3، ص 301

[40] مفتی محمد تقی عثمانی، فقہی مقالات، ج 3 ص 299

[41] ماہنامہ البلاغ، (جون 1971ء)؛ تبصرہ بر مختصر سیرتِ نبویہ ﷺ از مولانا عبدالشکور لکھنوی، مفتی محمد تقی عثمانی، مشمولہ: تبصرے، محمد تقی عثمانی، مرتب: مولانا محمد حنیف خالد (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، مئی 2015ء)، ص417-18

[42] محمد تقی عثمانی، تکملة فتح الملهم بشرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج القشيري (کراچی: مکتبہ دارالعلوم کراچی، 1419ھ)، کتاب الجهاد والسير، ج3، ص4

[43] ایضاً، ص4-5

[44] یوسف القرضاوی، سیّد مودودی: مفکّر، مُجدّد، مُصلح (منصورہ لاہور: منشورات، اکتوبر 2012ء) ص119